OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

تعینِ مقصدِ حیات کی معنویت: معاصر عالمی منظر نامے کی روشنی میں

Importance of Vision in Contemporary World Scenario

Dr. Hafsa Nasreen
Senior Editor, Department of Urdu Encyclopedia of Islam, University of the Punjab, Lahore

Abstract

To live a worthwhile life, a long-term vision is very important for a person and a nation, as well. Allah Almighty gave a clear vision to humanity which is called 'abdiyah" i.e. slavery of Allah", which means to live life on this planet in accordance with Allah's commandments. Along with this obedience we Muslims are responsible to preach the final word of God all over the world. But unfortunately, we are the most visionless nation of the world in current scenario. As, from centuries we are not connected with Qur'an and Sunnah and we have not practically accepted them as code of life so we are being used as tools for actualization of Jewish and Christian vision. Infact their interests are driving force for us as we are living a worldly material driven life instead of a meaningful and purpose driven life. This paper deals with importance of divinely vision, connecting ourselves and others with Allah (swt).

Key words: Vision, purpose, future planning, sacrifices

تمہید

قرآن کریم کے اہم اساسی موضوعات میں سے ایک زندگی میں مقصدیت کا وجود ہے۔ اس 'مقصد' کے خوب وزشت کے پیمانے بھی قرآن کریم میں بیان کردیے گئے ہیں۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ[1] "میں نے جن اور انسانوں کو اس کے سوا کسی کام کے لیے نہیں پیدا کیا کہ وہ میری بندگی کریں" عبد کے معنی غلام کے ہیں گویا عبدیت کے معنی اللہ کی کامل غلامی، بندگی، اطاعت.... [2] لہٰذا عبادت سے مراد فقہ کی کتاب العبادات والی نماز پنجگانہ نہیں بلکہ وسیع تر مفہوم میں طلب رضائے الٰہی مراد ہے "ان (انسانوں اور جنوں) کی اپنی تکمیل ذات کے لیے یہ لازمی ہے کہ جو کچھ بھی کریں عبادت ہی کی راہ سے کریں۔ کھائیں پیئیں، بولیں چالیں، چلیں، پھریں، کمائیں خرچ کریں، ہر فعل ہر

CC BY

عمل سے مقصود اصلی رضائے الٰہی کا حصول ہی رکھیں۔ اپنے وجود کی علت غائی اسی کو سمجھیں"[3]۔ بالفاظ مودودیؒ: جن اور انسان اللہ کے سوا کسی اور کی پرستش، اطاعت، فرماں برداری اور نیاز مندی کے لیے پیدا نہیں کیے گئے ہیں۔ ان کا کام کسی اور کے سامنے جھکنا، کسی اور کے احکام بجالانا، کسی اور سے تقویٰ کرنا، کسی اور کے بتائے ہوئے دین کی پیروی کرنا، کسی اور کو اپنی قسمتوں کا بنانے والا اور بگاڑنے والا سمجھنا اور کسی دوسری ہستی کے آگے دعا کے لیے ہاتھ پھیلانا نہیں ہے۔"[4] قرآن کریم میں موعظت و عبرت کے لیے بیان کردہ قصص امم سابقہ میں ایک منظر تاریخ یوں پیش کیا گیا ہے کہ حضرت یعقوبؑ کا وقت وصال قریب ہے اس وقت وہ اپنی اولاد و احفاد کو اکٹھا کر کے ان سے ایک سوال پوچھتے ہیں: مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْم بَعْدِیْ[5]۔ "میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے"۔ یعنی حضرت یعقوبؑ اپنی اولاد سے ان کے مستقبل کے بارے میں استفسار کر رہے تھے کہ وہ کس کی غلامی کریں گے۔ کس کی اطاعت کریں گے؟ ان کی زندگی کی صورت گری کس قالب پر ہو گی؟ ان کے شب و روز کس قاعدے کس ضابطے کے مطابق ہوں گے؟ آج کے محاورے میں مستقبل کی اس تصویر کو Vision کہا جاتا ہے۔ اس کی تعریف یوں کی جاتی ہے:

> "Vision is seeing the future before it comes into being. It is a mental picture of your destiny."… the ability to see farther than your physical eyes can look to see not just what is, but also what can be to make it a reality"[6]

گویا حضرت یعقوبؑ اپنی اولاد سے ان کا vision پوچھ رہے تھے۔ وہ اس امر کی تسلی چاہتے تھے کہ جو وژن انھوں نے اپنی اگلی نسل کو دیا تھا کیا وہ اس کی امین اور پاسدار بنے گی؟ کیونکہ انسان اپنی زندگی کا ہر لمحہ کیسے بسر کرے گا یہ اس کا vision ہی طے کرتا ہے۔ تاریخ اقوامِ عالم پر اور موجودہ عالمی منظر نامے پر ایک طائرانہ نظر ہی اس امر کی شہادت کے لیے کفایت کرتی ہے کہ جن اقوام نے اپنی زندگی کا واضح وژن سامنے رکھا اس کے مطابق اپنی زندگی کے رخ، سمت، رفتار اور معیار کا تعیّن کیا وہی انفرادی و اجتماعی سطح پر کامیاب و بامراد ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی کسی قوم سے قرابت داری نہیں ہے۔ مسلّمہ اصول ہائے کائنات کے مطابق جو قوم بھی دانش مندی سے کام لے گی کامیابی اس کا مقدر ہو گی اسی کا سکہ چلے گا اسی کو خلافت ملے گی۔ بے مقصدیت پر مبنی زندگی نہ افراد کے لیے ثمر آور ثابت ہوتی ہے ناں ہی اقوام کے لیے۔ آج دنیا میں مسلمانوں کی حالت زار سب سے زیادہ قابلِ رحم ہے۔ یہودی جو تعداد میں سب سے کم ہیں دنیا کا سارا نظام ان کے ہاتھوں میں ہے۔ اسے وہ حسبِ منشا چلا رہے ہیں۔ لوگوں کا طرزِ فکر تک وہ متعین کر رہے ہیں اور اتنے غالب ہیں کہ عید کی نماز کے دوران نہتے فلسطینیوں پر بارود کی بارش کرنے کے بعد مسلمانانِ عالم کو للکار کے کہتے ہیں:

"Khyber was your last chance"

عیسائی دنیا میں عیسائیت کو غالب بنانے اور مسلمانوں کو بے دین بنانے کا مقصد لے کر چل رہے ہیں۔ چنانچہ صدیوں پر محیط ان کی مساعی ان کے مقصد اور اس سے وابستہ لگن اور کامیابی پر دلالت کرتی ہے۔ دور کیوں جائیں ایٹمی قوت اور اسلام کا قلعہ کہلانے والے پاکستان میں عیسائیوں کی تعداد خوف ناک رفتار سے بڑھ رہی ہے لیکن مسلمان جو بہترین امت بنائے گئے، جنھیں **بلغوا عنی ولو آیۃ** کہہ کر مبلغ بنا کر ایک اہم ذمہ داری سونپ دی گئی تھی اور جن میں سے ہر فرد کو اس ذمہ داری کی

تکمیل و ادائی کا پابند بنا کر ایک مقصد حیات دے دیا گیا تھا، موجودہ عالمی منظر نامے میں ان کی موجودہ حیثیت و مقام کے اسباب و علل پر غور کیا جائے تو اہم اور اساسی وجہ مقصدیت سے خالی زندگی ہے۔ مسلمان عالم کی انفرادی و اجتماعی زندگیوں میں ان کے ودیعت کردہ اصل Vision کا دور دور تک کوئی وجود نہیں جب خواب نہیں تو تکمیل کی امید کیسی۔ جب آپ کا اپنا وژن نہ ہو تو آپ لا محالہ کسی دوسرے کے وژن کو کامیابی سے ہم کنار کرنے میں معاون بن جاتے ہیں اور آپ کو علم بھی نہیں ہو پاتا کہ دوسرے آپ کو استعمال کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کے معاملے میں تو المیہ یہ ہے کہ ہم خود اپنوں کے خلاف استعمال ہو رہے ہیں اور ہمیں اس کا احساس تک نہیں ہے۔ مقالہ ھٰذا میں اسی سوال کو سامنے رکھتے ہوئے تاریخ اقوامِ عالم بالخصوص یہود و نصاریٰ کی امثلہ کے تناظر میں زندگی میں مقصدیت اور اس کے مطابق تعین طرزِ حیات کی عصری معنویت پر بحث کی جائے گی۔ مقالہ ھٰذا درج ذیل دو حصّوں میں منقسم ہے۔ حصّہ اوّل: تعین مقصد حیات کے فوائد و مضمرات۔ ایک تاریخی جائزہ۔ حصّہ دوم: معاصر عالمی منظر نامہ اور امت مسلمہ کی ذمہ داریاں۔

1۔ حصّہ اوّل: تعیّن مقصدِ حیات کے فوائد و مضمرات_ایک تاریخی جائزہ

بالفاظ علامہ محمد اقبالؒ مسلمان کی زندگی کا وژن:

میری زندگی کا مقصد تیرے دین کی سرفرازی
میں اسی لیے مسلماں میں اسی لیے نمازی

اللہ رب العزت نے كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ [7] کے الفاظ میں امت مسلمہ کے ہر فرد کو خیر کی تبلیغ و حکم اور شر سے روکنے کی ذمہ داری سونپ دی ہے۔ اس فرضیے کی ادائی فرد سے شروع ہو کر خاندان، معاشرے، نظام، ریاست اور پھر ریاستی تعلقات تک کے وسیع دائرے کو محیط ہے۔ لہٰذا اس ذمہ داری کی تکمیل کی راہ میں حائل ہونے والی ہر ممکنہ رکاوٹ اور مشکل کا تذکرہ بھی کر دیا گیا ہے۔وَ لَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَ لَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى وَ لَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَالَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لاَ نَصِيْرٍ [8]"آپ سے یہودی و نصاریٰ ہر گز راضی نہ ہوں گے جب تک کہ آپ ان کے مذہب کے تابع نہ بن جائیں آپ کہہ دیجیے کہ اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے اور اگر آپ نے باوجود اپنے پاس علم آ جانے کے، پھر ان کی خواہشوں کی پیروی کی تو اللہ کے پاس آپ کا نہ کوئی ولی ہو گا نہ مددگار"۔ اور اس سے نبرد آزما ہونے کے لیے رہنمائی بھی دے دی گئی ہے۔ اہلِ اسلام کے ساتھ یہود و نصاریٰ کی معاندت کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی اسلام کی۔ لہٰذا صدر اسلام سے یا عہد نبوی سے انھوں نے اس نفرت کو نسل در نسل آگے منتقل کیا اور روح اسلام کے خاتمے کے لیے ہر ممکنہ اقدام کیا۔ یہ ان کا وژن ہے۔ محمود احمد غازیؒ اس ضمن میں فرماتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ دعا اور جواب دعا ہے۔ سورۃ بقرہ میں دعوت کے نتیجے میں سامنے آنے والے تین گروہوں کا ذکر کرنے کے بعد خلافت الٰہیہ اور پھر یہود کی جملہ دسیسہ کاریوں، ہٹ دھرمیوں، قتل انبیاء، فریب کاریوں، تحریف وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ پھر سورۃ آل عمران میں توحید کا ذکر کرنے کے بعد پھر عیسائیوں کے مشرکانہ عقائد اختیار کرنے کا ذکر ہے۔ گویا ان دونوں سورتوں میں اللہ نے امت مسلمہ کو اس کا بین الاقوامی کردار ادا کرنے کے لیے علمی و فکری و نظریاتی اعتبار سے تیار کیا گیا ہے۔ لہٰذا "مسلمانوں کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے اور اسے یاد رکھنا چاہیے کہ جب بھی وہ اپنے بین الاقوامی کردار کو ادا کرنے پر زور دیں گے تو عیسائیت و

یہودیت سے ان کے مقابلے کی صورت ہو گی۔ سو یہودیت و عیسائیت کی نفسیات، طریقہ واردات، عقائد و اعمال کو پوری طرح سمجھنا بے حد ضروری ہے۔ یہ ٹکراؤ علمی، فکری، تہذیبی، تمدنی، عسکری، سیاسی، اقتصادی غرض یہ کہ ہر میدان میں ہو گا۔۔۔"[9] اور ہر سطح پر اس کے مطابق تیاری بھی ہونی چاہیے۔ اوراقِ تاریخ شاہد ہیں کہ یہود و نصاریٰ دونوں نے اسلام دشمنی کو دل و جان سے مقدس نصب العین کے طور پر اور مقصدِ حیات گر دانتے ہوئے اپنایا اور امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے مزاج، ذاتی و شخصی خامیوں اور ان کی قومی سیرت کے کمزور پہلوؤں کو جانا پرکھا اور ان کے عین مطابق اس دشمنی اور بیخ کنی کے میدان میں ہر عہد میں ہر ممکنہ ہتھیار سے لیس ہو کر اترے۔ چند مسلّمہ حقائق بطور مثال پیش ہیں:

یہود کا وژن اور طریق کار

1918ء میں طشت از بام ہونے والی یہودی سازش کی حامل خفیہ دستاویزات جو Protocols of the Elders of Zions کے نام سے جانی جاتی ہیں۔ اس میں یہود کے وہ منصوبے درج ہیں جو انھوں نے دنیا کو غلام بنانے کے سلسلے میں تیار کیے تھے۔ اس کا ہدف گو تمام غیر یہودی ہیں لیکن معاصر حالات میں مسلمان ان کے شکنجے میں بطورِ خاص جکڑے نظر آتے ہیں۔ چند اقتباسات برائے ملاحظہ ہیں: "آج کے دور میں ریاستوں کے پاس ایسی قوت ہے جو لوگوں کے ذہنوں میں خیالات پیدا کرتی اور انھیں آگے بڑھاتی ہے۔ یہ پریس کی قوت ہے پریس کا اصل کردار یہ ہے کہ ناگزیر ضروریات کی نشان دہی کرتا ہے۔ عوام کی شکایات اور تکالیف کو سامنے لاتا ہے۔ یہ بے اطمینانی اور بے چینی کی فضا بھی پیدا کرتا ہے اور اس کی تشہیر بھی کرتا ہے۔ پریس کی وجہ سے ہم خود پس پردہ رہ کر غیر یہود عوام پر اثر انداز ہوتے ہیں"۔[10] لفظ آزادی عجیب و غریب دھوکہ ہے جو انسانوں کو ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار رکھتا ہے حتّٰی کہ خدا اور قوانینِ فطرت کے خلاف بھی۔۔۔"[11] رائے عامہ کو اپنے ہاتھ میں لینے کے لیے ہمارے پاس ایک راز یہ ہے کہ ہمیں کشید گی، مایوسی اور بے اطمینانی کی ایک فضاء قائم کرنا ہو گی اس کا طریقہ یہ ہو گا کہ ہر سمت اور ہر گوشے سے قطعی متنازعہ اور متضاد خیالات کو پیش کریں گے"۔"۔۔۔۔ کسی قوم کی ماضی کی غلطیوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا جائے شہری زندگی کے حالات و مسائل کو ایسا الجھا دیا جائے کہ سب لوگ اس طرح دست و گریبان ہو جائیں کہ کسی قابل نہ رہیں۔ بالآخر وہ ایسی منزل پر پہنچیں گے جہاں کوئی نظام نہیں ہو گا۔۔۔۔ ہم غیر یہود اقوام کی تعلیم کے شعبے کو خاص طور پر نشانہ بنائیں گے ان کے نصابِ تعلیم کو ایسے انداز میں مرتب کریں گے کہ ان کی نئی نسل دلجمعی اور یکسوئی سے کوئی فیصلہ نہ کر پائے کبھی کسی قطعی نتیجے پر نہ پہنچ سکے اور ہمیشہ تناؤ اور کشیدگی سے دوچار ہے"۔[12] "ہم بہت جلد بڑی بڑی اجارہ داریاں قائم کریں گے جو دولت اور زر کے بڑے بڑے ذخیرے ہوں گے یہ وہ مراکز ہوں گے جن پر غیر یہود کی قسمتوں کا اس حد تک انحصار ہو گا کہ سیاسی تصادم مول لینے کی صورت میں وہ اگلے ہی روز تمام ملکی قرضوں سمیت غرق ہو جائیں گے "[13] "اس خطرے کے پیشِ نظر کہ مبادا عوام یہ اندازہ کر لیں کہ انھیں کس طرح آلہ ء کار بنایا گیا ہے، ہم ان کی توجہ کھیل کود، تفریحات، ہوس پرستی، تماشہ گاہوں اور شاندار ہوٹلوں کی طرف موڑ دیں گے۔ ہم پریس کے ذریعے، آرٹ، نمائشوں اور مختلف قسم کے سپورٹس مقابلوں کی تجاویز پیش کریں گے۔ اس نوعیت کی دل چسپیاں ان کی توجہ کو ہمیشہ کے لیے اصل مسائل سے دور رکھیں گی۔ جب لوگ سوچ بچار کرنے اور اپنے نظریات قائم کرنے کی عادت سے عاری ہو جائیں گے تو وہ ہماری ہی زبان میں بات کرنا شروع کر دیں گے کیونکہ ہم ہی انھیں فکر کی راہیں سُجھا دیں گے اور یہ کام ایسے لوگوں سے لیا جائے گا جن کے متعلق ہمارے ساتھ اشتراک عمل کا شبہ تک نہ کیا جاسکے۔[14] "۔۔۔ ہمارے دانش ور جنھیں غیر یہود کی قیادت

سنبھالنے کی تربیت دی جائے گی ایسی تقاریر اور مضامین تیار کیا کریں گے جن سے ذہن فوراً اثر قبول کریں گے تاکہ نئی نسلیں ہماری متعیّن کردہ راہوں پر گامزن ہو سکیں"[15] "غیر یہودیوں کو صنعت و تجارت کے چکروں میں ایسا پھنسا دیا جائے کہ انھیں سوچ بچار اور غور و فکر کے لیے کوئی وقت ہی نہ مل سکے۔ اس طرح تمام اقوام طلب زر اور صنعت اندوزی کے تعاقب میں یوں سرپٹ دوڑتی رہیں گی کہ اپنے مشترکہ دشمن کی طرف توجہ ہی نہیں دے سکیں گی"۔[16] اور سب سے بڑھ کر "...اپنے مقصود کو حاصل کرنے کے لیے ہر حربہ اور ہر ہتھیار جائز ہے۔ زن، رشوت، شراب اور فحاشی۔۔۔ جہاں یہ کام نہ دیں تو قتل سے گریز نہ کیا جائے۔"[17] ان پروٹوکولز میں سے ہر ایک اپنے اندر ایک خاص پیغام، خاص لائحہ عمل اور ایک خاص تجزیہ رکھتا ہے۔ مثلاً "سانپ"، "علامتی سانپ"، تیسرے پروٹوکول میں "خوبصورت یہودی عورتیں"[18]....

نصاریٰ کا وژن اور طریق کار

نصاریٰ ساتویں صدی عیسوی سے اسلام کی بیخ کنی کا عزم اور مقصدِ حیات کے لیے سرگرم عمل ہیں گو ہر دور کے تقاضوں کے پیشِ نظر ان کا طریق واردات بدلتا رہا ہے۔ اس کی بے شمار مثالیں دی جاسکتی ہیں مثلاً نصاریٰ کا وژن جاننے کے لیے سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے مخالف صلیبیوں کے چند بیانات کفایت کرتے ہیں اور عیسائی ذہنیت، ان کے مقصد کو مجسم صورت میں ہمارے سامنے لا کھڑا کرتے ہیں۔ مثلاً: شاہ فرانس فلپ آگسٹس (1223-1165ء) کہتا ہے: "ہماری عداوت صرف صلاح الدین ایوبی سے نہیں ہماری جنگ اسلام کے خلاف ہے۔ ہماری کوشش ہونی چاہیے کہ ایوبی مر جائے تو یہ قوم کوئی دوسرا ایوبی پیدا نہ کر سکے۔ اس قوم کو عقیدوں، غلط اور بے بنیاد عقیدوں سے مارو ان میں بادشاہ بننے کا جنون طاری کر دو۔ انھیں عیاش بنا دو۔ ان میں ایسی روایات پیدا کر دو کہ یہ خلافت کی گدی پر آپس میں لڑتے رہیں۔ پھر اس خلافت کو اس کی فوج پر سوار کر دو۔ میں یقین سے کہتا ہوں ایک دن یہ قوم صلیب کی غلام ہو جائے گی۔ اس کا تمدن اور مذہب صلیب کے رنگ میں رنگا ہوا ہو گا۔ وہ بادشاہی اور خلافت کے حصول کے لیے باہم دست و گریبان ہوں گے اور اپنے مخالفین کو دبانے کے لیے ہم سے مدد مانگیں گے۔ اس وقت ہم میں سے کوئی زندہ نہیں ہو گا ہماری روحیں دیکھیں گی کہ میں نے جو پیشین گوئی کی وہ حرف بہ حرف سچ ثابت ہوئی۔"[19] چنانچہ ان صلیبیوں نے طبقہ اشرافیہ کو شراب و شباب کا دلدادہ بنا کر اور حکمرانی کا رسیا بنا کر ان کے اصل مقصدِ حیات سے یکسر بے گانہ کر دیا تھا اور عوام الناس میں توہم پرستی اور مذہب مخالف شکوک و شبہات نیز دنیا پرستی کے جراثیم یوں داخل کر دیے تھے کہ بقول بعض یورپی مؤرخین کے "بعض صلیبی حکمرانوں نے میدانِ جنگ کو اہمیت دینی ہی چھوڑ دی تھی وہ اس نظریے کے قائل ہو گئے تھے کہ جنگ اس طرح کرو کہ مسلمانوں کی جنگی طاقت زائل ہوتی رہے زوردار حملہ ان کے مذہبی عقائد پر کرو..."[20] ایک عیسائی عالم جو مسلم عالم کا روپ دھارے ایک مسجد میں امام بنا بیٹھا تھا، صلاح الدین ایوبی کے بارے تبصرہ کرتے ہوئے کہتا ہے "وہ دانش مند ہے جذباتی لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔ وہ صرف ایک تربیت یافتہ سپاہی کو ایک سو غیر تربیت یافتہ آدمیوں پر ترجیح دیتا ہے۔ وہ کھوکھلے نعروں سے قوم کو بھڑکاتا نہیں حقیقت کی بات کرتا ہے۔ یہ ہمارا کام ہے کہ اس کی قوم کو حقیقت سے اور تربیت سے دور رکھیں اور اسے جذباتی بنا دیں۔ اس قوم میں شعور کے بجائے صرف جوش رہ جائے۔ وہ جوش جس میں حقیقت پسندی اور دانش مندی نہ ہو دشمن کے پہلے تیر سے ہی ٹھنڈا پڑ جاتا ہے...."[21] 1172ء میں کرک کے قلعے میں صلیبی کمانڈر اور جرنیلوں کی کانفرنس جاری ہے۔ جہاں شاہ آگسٹس صلیبیوں کے شعبۂ جاسوسی کے سربراہ ہرمن سے مخاطب ہے "ہرمن تمھاری نگاہ محدود ہے تم صرف سلطان صلاح الدین اور نورالدین کو دیکھ رہے ہو ہم اسلام کو دیکھ رہے ہیں

ہمیں اس مذہب کی بیخ کنی کرنی ہے۔ اس کے لیے کردار کشی اور نظریات میں شکوک پیدا کرنا لازمی ہے۔ مسلمانوں میں ایسی تہذیب رائج کرو جس میں کشش ہو۔ ضروری نہیں کہ ہم اپنا مقصد اپنی زندگی میں حاصل کرلیں... ہم یہ کام اپنی اگلی نسل کے سپرد کردیں گے۔ کچھ کامیابی وہ حاصل کرے گی اور پھر یہ مہم اس سے اگلی نسل ہاتھ میں لے لے گی۔ پھر ایک دور ایسا آئے گا جب اسلام کا نشان نہیں رہے گا۔ اگر اسلام زندہ رہا تو بھی یہ مذہب کسی اور صلاح الدین ایوبی اور نورالدین زنگی کو جنم نہیں دے گا۔ میں وثوق سے کہتا ہوں کہ مذہب مسلمانوں کا اپنا ہوگا لیکن یہ مذہب ہماری تہذیب میں رنگا ہوا ہوگا۔ ہرمن! آج سے سو سال بعد پر نظر رکھو فتح وشکست عارضی واقعات ہیں...۔[22] ایک صلیبی حاکم، ریمانڈ (Raymond) کہتا ہے "ہمیں ان کے اصل تہذیب وتمدن کو بگاڑنا ہے ہم اس دور میں زندہ نہیں ہوں گے ہم دیکھ نہیں سکیں گے۔ میں پورے یقین سے کہتا ہوں ہم نے کردار کی تباہ کاری کی مہم جاری رکھی تو وہ دور آئے گا کہ اسلام اگر زندہ رہا تو یہ اسلام کی بدروح ہوگی جو بھٹکتی پھرے گی۔ مسلمان نام کے مسلمان ہوں گے ان کی کوئی آزاد اسلامی مملکت رہ بھی گئی تو وہ گناہوں اور بدی کا گھر ہوگی"[23]

جن مسلم امراء کو مائل بہ بغاوت کرکے ان صلیبیوں نے ریاستوں میں منتشر کردیا تھا اور صلاح الدین ایوبی کے مخالف کھڑا کر رکھا تھا انھیں بھی خود انحصاری سے دور اور اپنا دست نگر رکھنے کے لیے انھوں نے کمال مکاری سے کام لیتے ہوئے، دوستی کا لبادہ اوڑھے یہ پیشکش کی کہ آپ کو عسکری تیاریوں کی چنداں ضرورت نہیں۔ آپ کو فوج اور جملہ سامان حرب ہم خود فراہم کریں گے۔ ہر لحاظ سے آپ کی معاونت کریں گے۔ چنانچہ مسلم امراء ان پر تکیہ کیے سکون سے بیٹھے رہے۔ حلب سے پچاس کلومیٹر دور ایک صلیبی ہیڈ کوارٹر میں یہ فیصلہ ہوا کہ حلب، حران اور موصل کی فوج کے لیے کمانوں اور آتش گیر مادے کا ذخیرہ بھیجا جائے اس کے علاوہ پانچ سو گھوڑے بھی بھیج دیے جائیں لیکن یہ خیال رکھا جائے کہ زیادہ تعداد ایسے گھوڑوں کی ہو جو ہمارے کام کے نہیں رہے۔ بظاہر تندرست ہوں۔ آئندہ یوں کیا جائے کہ ان کو تھوڑا تھوڑا اسلحہ دیا جاتا رہے۔ اس کے ساتھ ساتھ انھیں عیاشی کی طرف مائل کیا جائے انھیں تاثر دیا جائے کہ جب کبھی انھیں اسلحے اور گھوڑوں کی ضرورت ہوگی وہ ہم پوری کریں گے۔ اس طرح وہ خود اپنی ضروریات پوری کرنے سے غافل ہوجائیں گے اور ہمارے محتاج رہیں گے" اور ہم اس مدد اور اپنے مشیروں کی وساطت سے ان کے دلوں اور دماغوں پر غالب آجائیں گے"۔[24] مسلمانوں نے ان نصاریٰ کے ہاتھوں بھرپور شکستیں کھانے کے باوجود سبق نہیں سیکھا۔ چنانچہ عہد بہ عہد ہم پھر عین وہی صلیبی ہتھکنڈے روبہ عمل دیکھتے ہیں۔ مثلاً نصاریٰ نے [بہ شکل ایسٹ انڈیا کمپنی] وہی ہتھکنڈہ بہادر شاہ ظفر کی فوج کو بے دست وپا کرکے، اس کے شہزادوں کی عسکری تربیت نہ کرنے کا معاہدہ کرکے استعمال کیا اور چشم فلک نے مغلیہ خاندان کے عبرت ناک خاتمے کے تمام مناظر دیکھے۔ اوراقِ تاریخ اور خود اس بربادی کو تکمیل تک پہنچانے والے انگریزوں نے ان واقعات کی دلدوز تاریخ بالتفصیل لکھی ہے۔ جو محفوظ ہے۔[25] مسلمانوں کی حکومت کے خاتمے کے بعد انگریزوں نے یہاں حکومت قائم کی۔ اپنا نظام مسلط کیا۔ بطورِ خاص نظام ونصابِ تعلیم بدل دیا۔ لارڈ میکالے نے 1835ء میں جو رپورٹ بنام *Maculay's Minutes on Education* پیش کی اس میں واضح طور پر کہا گیا تھا کہ برطانوی حکومت کو ہندوستان میں ایک ایسے تعلیم یافتہ طبقے کی ضرورت ہے جو مزاجاً یورپی ہو لیکن شکل وصورت میں ہندوستانی۔ وہ کہتا ہے:

> "We must at present do our best to form a class who may be interpreters between us and the millions, whom we govern, a

class of persons Indian in blood and colour, but English in taste, in opinion, in morals and in intellect.[26]

اس سے ہندوستان میں مروجہ زبانوں بالخصوص سنسکرت اور عربی جن کو مذہبی متون کی زبانیں ہونے کے ناطے درجہ تقدس حاصل تھا کا جبراً خاتمہ کیا۔ چنانچہ وہ کہتا ہے:

English is better worth knowing then Sanscrit or Arabic...[27]

علوم شرقیہ پر مبنی کتب کی طباعت پر بھی پابندی لگا دی گئی جو اس کے خیال میں

.... absurd history, absurd metaphysics, absurd physics absurd theology...[28]

پر مبنی تھیں اور زبان کبھی تنہا نہیں آتی اس کے جلو میں پوری تہذیب و ثقافت، مزاج، طرزِ حیات آتا ہے۔ انگریزی زبان کو ذریعہ علم بنا کے اور اسے سرکاری زبان کی حیثیت دے کے برطانوی حکومت نے ہندوستان کی ثقافت پر گہری ضرب لگائی چنانچہ وہ پرانی نسل جو روایتی تعلیم یافتہ تھی، اس کی بالادستی ختم ہو گئی اور معاشرے کے بیشتر افراد بیکار اور نااہل ہو گئے ان کی جگہ جو نئی یورپی تعلیم یافتہ نسل آئی اس کا نقطہ نظر اب روایت کے بجائے جدیدیت پر مبنی تھا۔ تعلیم کے ذریعے برطانوی حکومت نے نہ صرف اپنے معاون پیدا کیے بلکہ اس کے ذریعے سے انفارمیشن پر اپنا اقتدار قائم کر لیا۔ نئے نصاب میں خاص طور سے "انگریزی ادب" کا اضافہ ہوا تا کہ اس کے ذریعے سیکولر اور انگریزی کلچر کو فروغ ملے اور تعلیم یافتہ نسل کو ذہنی طور پر یورپی ثقافت میں ضم کیا جائے۔[29] چونکہ اس نئے نظام میں انگریزی خواں کو ملازمت حاصل کرنے میں آسانیاں تھیں اس لیے نوجوان انگریزی تعلیم پر ٹوٹ پڑے۔[30] ان کا نہ صرف اپنی زبان، اپنے علوم، اپنی تہذیب و ثقافت سے رشتہ کٹ گیا بلکہ ان کے ہاں تفکر، تدبر، اپنے نظریاتی و ایمانی تناظر میں مستقبل بینی کا رجحان جو پہلے ہی ضعف کا شکار تھا قریب الاختتام ہو گیا۔ ملک کے دو ٹکڑے ہو گئے ہم ایک خالص اسلامی ریاست بن گئے لیکن ذہنی طور پر انگریز سرکار کے غلام آج بھی اسی انگریزی طرز و نصابِ تعلیم بلکہ وژن (Vision) کا تتبع کر رہے ہیں جس کا مقصد کلرک بنانا اور دینی و علمی میراث سے منقطع کرنا تھا۔

محکوم کے حق میں ہے یہی تربیت اچھی
موسیقی و صورت گری و علم نباتات

لہٰذا آج ہم بحیثیت قوم نصاریٰ کے وژن کا حصہ بن چکے ہیں۔ ان کا آلہ کار بن چکے ہیں۔ ایک بڑا صلیبی بحری بیڑہ تباہ کرنے کے بعد صلاح الدین اپنے سالاروں سے مخاطب ہوئے: "... مجھے اپنی قوم کا مستقبل کچھ روشن نظر نہیں آتا، ایک وقت تھا جب عیسائی بادشاہ تھے اور ہم جنگجو۔ اب ہمارے بزرگ بادشاہ بنتے جا رہے ہیں اور عیسائی جنگجو۔ دونوں قوموں کا رجحان دیکھ کر میں کہہ رہا ہوں کہ ایک وقت آئے گا جب مسلمان بادشاہ بن جائیں گے مگر عیسائی ان پر حکومت کریں گے۔ مسلمان اسی میں بدمست رہیں گے کہ ہم بادشاہ ہیں ہم آزاد ہیں مگر وہ آزاد نہیں ہوں گے میں فلسطین لے لوں گا مگر مسلمانوں کا رجحان بتا رہا ہے کہ وہ فلسطین گنوا بیٹھیں گے"۔[31] وقت نے سلطان صلاح الدین کی اس پیشین گوئی کو سچ ثابت کر دیا۔

امت مسلمہ کا وژن اور طریق کار

آنحضور ﷺ جس دین کو لے کر آئے تھے، حکمت ایزدی کا تقاضا تھا کہ اس کا ابلاغ بھی کیا جائے اور اسے باقاعدہ عملی شکل میں نافذ کر کے دنیا کے سامنے ایک جامع اسوہ پیش کیا جائے۔ یہ بہت بڑا مقصدِ حیات اور نصب العین تھا۔ روئے زمین پر، دنیا کی

معلوم تاریخ میں، مقصدِ حیات اور اس کے مطابق زندگی کا ہر لمحہ بسر کرنے کی بہترین نظیر مسلمانوں کے پاس حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی صورت میں موجود ہے۔ آپ کو اعلائے کلمۃ اللہ کا فریضہ سونپا گیا اور حکم دیا گیا کہ قُم فَانذر۔ آپ ﷺ نے اس منصب عظیم کے جملہ تقاضے بدرجہ اتم پورے کیے۔ ہر طرح کی مزاحمت اور دباؤ کا سامنا کرتے ہوئے، بھرپور مخالفت کے ماحول میں، ظلم و ستم اور ایذارسانیوں کو برداشت کرتے ہوئے، اہلِ طائف کی سنگ باری پر خون سے لتھڑے پاؤں لیے، شعب ابی طالب میں محصور بھوک سے بلبلاتے بچوں کی آہ وزاری سنتے ہوئے، انذار کے اسی فریضے کی انجام دہی کرتے رہے۔ اور آپؐ کی دعوت پر لبیک کہنے والے بھی ہر ستم کو بہت عزم و استقلال سے برداشت کرتے رہے لیکن اس عظیم مقصد سے اس مشن سے نہ کبھی آپ ﷺ کی نظر ہٹی نہ عزم متزلزل ہوا۔ کفار کے شکایت کرنے پر آپ ﷺ کے چچا آپ ﷺ کے پاس آتے ہیں جنھیں ڈر ہے کہ کفار آپ ﷺ کو نقصان پہنچائیں گے آپ ﷺ جواب دیتے ہیں "واللہ اگر کفار میرے ایک ہاتھ پر سورج رکھ دیں اور ایک ہاتھ پر چاند تب بھی میں دین اسلام کی تبلیغ و دعوت سے نہیں رکوں گا تا آنکہ یہ فریضہ تبلیغ و رسالت تکمیل کو پہنچ جائے یا میرا دم نکل جائے۔[32] آپ ﷺ کا وصال ہوا تو سارے عرب پہ پرچم توحید لہرا رہا تھا۔ آپ ﷺ پر سلسلہ نبوت ختم ہوا لہٰذا آپؐ نے العلماء ورثۃ الانبیاء کہہ کر مسلمانوں کو دیے سے دیا جلائے رکھنے کا پابند کر دیا تھا۔ اب اعلائے کلمۃ اللہ کی ذمہ داری، اس دین کی تبلیغ کی ذمہ داری مسلمانوں کی ہے اور چونکہ ہر مسلمان مرد و عورت پر علم حاصل کرنا فرض ہے لہٰذا ضروری ہے کہ وہ عالم اور انبیاء کا وارث بنے۔ کیونکہ بلغوا عنی ولو آیۃ کہہ کر ابلاغ کا فرض ہم سب پر عائد کر دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کے وصال کے بعد عہدِ خلافت راشدہ میں ہمیں یہی روح اور جذبہ پوری شدت سے کارفرما نظر آتا ہے۔ مثلاً عہد صدیقی میں فتنہ ارتداد کا خاتمہ، مانعین زکوٰۃ کے خلاف جہاد جیسے بڑے اقدامات۔ اسی طرح حضرت اسامہ کی سربراہی میں تیار شدہ لشکر کو شام کی سرحد پر رومیوں سے لڑنے کے لیے بھیجنے کا مسئلہ آن پڑا۔ یہ لشکر خود رسالتمآب ﷺ نے تیار کیا تھا لیکن اب وصال رسول ﷺ کے بعد بعض صحابہ اس کی روانگی کے خلاف تھے۔ اس موقع پر حضرت ابو بکر صدیق فرماتے ہیں: "مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر مجھے یہ یقین ہو کہ جنگل کے درندے مجھے اٹھا کر لے جائیں گے تو بھی میں اسامہ کے اس لشکر کو روانہ ہونے سے نہیں روک سکتا"۔[33] عہدِ فاروقی میں قیصر و کسریٰ کی سلطنتیں اور مصر و شام کے علاقے بھی اسلامی ریاست کے ماتحت ہو گئے بیت المقدس بھی فتح ہوا۔ اسلامی مملکت 28 لاکھ مربع میل کے رقبے پر پھیل گئی۔ یہ حضرت عمرؓ کی دور اندیشی اور فہم و فراست کا ثمرہ تھا۔ وہ مستقبل پر نظر رکھتے اور آمدہ خطرات سے چوکنے رہتے۔ اور ان کے پیشِ نظر اقدامات کرتے مثلاً روایت ہے کہ شام کی آخری سرحد پر عربسوس نامی شہر آباد تھا۔ جس کی دوسری سرحد ایشائے کوچک تک پھیلی ہوئی تھی۔ جب شام فتح ہوا تو یہ شہر بھی فتح ہوا اور صلح کا معاہدہ ہو گیا لیکن یہاں کے لوگ درپردہ رومیوں سے سازش رکھتے تھے۔ ادھر کی خبریں ادھر پہنچاتے۔ وہاں کے حاکم عمیرؓ بن سعد نے اس کی اطلاع حضرت عمرؓ کو دی۔ انھوں نے حکم دیا کہ جس قدر ان کی جائداد، زمین، مویشی اور اسباب ہیں سب شمار کر کے ایک ایک چیز کی دوچند قیمت ادا کر کے ان کو یہاں سے نکال دیں اور اس پر رضامند نہ ہوں تو ایک برس کی مہلت دے کر جلاوطن کر دیں۔ وہ لوگ اپنی دسیسہ کاریوں سے باز نہیں آئے لہٰذا انھیں جلاوطن کر دیا گیا۔[34] اسی طرح حضرت عمرو بن العاص نے بحر روم اور بحر قلزم کو نہر کے ذریعے باہم ملا دینے کا ارادہ کیا اس کے لیے جگہ بھی تجویز کر لی تھی۔ حضرت عمرؓ کو اس ارادے کی اطلاع ہوئی تو ناراضی کا اظہار کیا اور لکھ بھیجا کہ ایسا ہوا تو یونانی جہازوں میں آ کر تمھارے حاجیوں کو اڑا لے جائیں گے۔[35] بروایت دیگر حضرت عمر نے فرمایا "ایسا ہوا تو رومی

تمھارے گھروں کے صحنوں سے تمھاری عورتیں اٹھاکے لے جائیں گے"۔[36] پھر عہدِ عثمانی میں جمع القرآن جیسے بڑے اقدام کو دیکھ لیں۔ مملکت اسلامیہ کی نظریاتی وجغرافیائی سرحدوں کی حفاظت کے لیے صدیوں تک آمدہ خطرات کو بھانپتے ہوئے، پیش اقدامی کی بہترین مثالیں ہمیں عہدِ خلافت راشدہ سے ملتی ہیں۔ لیکن بعد ھم مسلمانوں نے پیغام الٰہی کی معرفت، اس کی بجاآوری اور اس کے حلقہ بگوشوں کے قیام کے فریضے کو ایک صدی کے اندر اندر بھُلادیا" ہمارے سلاطین اور بادشاہوں نے ملک گیری اور کشور کشائی پر قناعت کی اور عیش و آرام اور جاگیر و خراج کی دولت کو اپنی زندگی کا ماحصل قرار دیا۔ علماء نے درس و تدریس اور فتنوں سے عزلت گزینی کی زندگی پر کفایت کی۔ درویشوں اور صوفیوں نے تسبیح و سجادہ کی آرائش پر بس کی اور زندگی کے کاروبار سے اپنے کو الگ کرلیا۔ نتیجہ یہ ہے کہ امت رہبری ورہنمائی کے بغیر اپنے حال سے غافل ہوکر رہ گئی اور امت مسلمہ کی زندگی کے غرض وغایت اس کے سارے طبقوں سے مخفی ہوگئی[37]۔ بالفاظ مولانا ابوالکلام آزاد "ہم نے جب تک اپنے ظہور و عروج کے مقاصد کو سنبھالے رکھا تو دنیا کے لیے نافع رہے اسی لیے ہمیں تمکیل فی الارض حاصل رہا اور جب سے ہم نے اپنے ظہور و عروج کا مقصد بھلا دیا تو ہمیں اس منصب سے بھی محروم ہونا پڑا اور قومی زندگی کے بجائے قومی موت کا سامنا ہوا"۔[38] البتہ تاریخ کے مختلف ادوار میں امت مسلمہ کے تاریک افق پر متعدد درخشاں ستارے دکھائی دیتے ہیں جنھوں نے اعلائے کلمہ اللہ کو ہی مقصد حیات بنایا اور اس کے لیے عمریں کھپادیں۔ چند مشاہیر کی مثالیں برائے ملاحظہ پیش ہیں: سلطان صلاح الدین ایوبی: بہاؤالدین شداد نے اسلام کے اس عظیم فرزند کے بارے میں اپنی یادداشتوں میں لکھاہے کہ "صلاح الدین ایوبی بلاشبہ عظیم قائد تھا۔ وہ ماضی کو نہیں بھولتا تھا۔ حال کے خطروں اور تقاضوں سے نبرد آزمارہتا اس کی نظریں صدیوں بعد آنے والے مستقبل پر لگی رہتی تھیں"[39]۔ صلاح الدین ایوبی ایک دانش مند، بیدار مغز، حقیقت پسند انسان تھے۔ بقول ان کے "بنیادی اصول یہ ہے کہ دشمن کے انتظار میں گھروں میں نہ بیٹھے رہو۔ یہ کوئی اصول نہیں کہ دشمن حملہ کرے اور تم حملہ روکو تمھیں یہ اصول قرآن نے دیاہے کہ جنگ ہو تو لڑو جنگ نہ ہو تو جنگ کی تیاری میں مصروف رہو جوں ہی تمھیں پتہ چلے دشمن تم پر حملہ کرنے کی تیاری کررہاہے اس پر حملہ کردو۔ یاد رکھو جو مسلمان نہیں وہ تمھارا دوست نہیں۔ کافر تمھارے قدموں میں آکر سجدہ بھی کرلے تو اسے اپنا دوست نہ سمجھو"۔[40] سلطان کا یہی جذبہ دانش مندی اور جرات رندانہ تھی جس نے ان کو بیت المقدس نصاریٰ سے آزاد کرانے کے عظیم مقصد میں کامیاب وکامران کیا۔ ازاں بعد ماہ ذوالقعدہ 586ھ میں سلطان نے بیت المقدس میں نماز عید الاضحیٰ پڑھی پھر عسقلان کی طرف روانگی کا ارادہ کیا کہ بلاد ساحل ملاحظہ کریں۔ ساتھیوں کے منع کرنے کے باوجود سلطان نے عکا کی جانب سفر کیا۔ سخت سردی تھی اور سمندر موجیں مار رہا تھا۔ بقول ابن شداد میں نے اس سے قبل سمندر کی موجیں نہیں دیکھی تھیں۔ میرا دل کانپ گیا اسی حالت میں سلطان نے میری طرف دیکھا اور کہا "اس وقت میرے دل میں یہ خیال ہے کہ جب خدا کے فضل سے میں بقیہ ساحل کو فتح کرلوں گا تو میں اس کو مسلمانوں میں تقسیم کردوں گا اور فارغ ہو کر تمام جزائر بحری کا سفر کروں گا۔ دشمنوں کے ممالک پر چڑھائی کروں گا یہاں تک کہ روئے زمین پر کوئی کافر اور خدا کا منکر باقی نہ رہے یا میں ہی اس کوشش میں مارا جاؤں۔[41] اعلائے کلمۃ الحق کے جوش کے سوا سلطان کی زندگی کا اور کوئی مقصد نہ تھا۔[42] سلطان ٹیپوؒ: ایسی ہی ایک مثال سلطان ٹیپو کی ہے جو کہا کرتے تھے کہ "شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے۔" علامہ اقبال سلطان کے مزار پر حاضر ہوئے تین گھنٹے اندر بیٹھے رہے۔ ان سے پوچھا گیا کہ کیا پیغام ملا تو فرمایا:

؎ درجہاں نتواں اگر مردانہ زیست

ہم چو مرداں جاں بسپر دن زندگیست

"اگر جہاں میں مردوں کی طرح زندگی گزارنا مشکل ہو تو بہتر ہے کہ مردوں کی طرح جان دے دے"۔[43] سلطان محمد فاتح: فاتح قسطنطنیہ سلطان محمد فاتح جو کہا کرتے تھے "یا میں قسطنطنیہ لے لوں گا یا قسطنطنیہ مجھے لے لے گا"، نے اپنی جرات، عزم، شکست قبول نہ کرنے کے جذبے سے وہ شہر بالآخر فتح کر لیا۔ جو مسلمانوں کو سات سو سال کی جدوجہد کے بعد حاصل ہوا تھا۔ اس فتح کے ساتھ 1480 برس قائم رہنے والا رومن ایمپائر زوال پذیر ہوا اور سلطنت عثمانیہ نے اپنے عروج کو چھو لیا تھا۔ اگلی چار صدیوں تک عثمانی حکومت تین براعظموں پر قائم رہی۔ اس شہر کو فتح کرنے کے لیے سلطان اور مسلم فوج نے کیسی کیسی مشقتیں برداشت کیں اور کیسے محاصرہ قائم رکھا وہ عزیمت کی ایک عدیم النظیر داستان ہے۔[44] ایسی ہی ایک مثال حضرت مولانا محمد الیاس مؤسس تبلیغی جماعت کی ہے۔ چند فرامین ملاحظہ ہوں: "دین کے فروغ کے لیے جان دینے کے شوق کو زندہ کرنا اور جان کو بے قیمت کر دینا ہماری تحریک کا مقصود اور خلاصہ ہے"[45] "جو شخص اسلام کے لٹنے کا درد لیے بغیر مرے گا اس کی موت بدترین موت ہے۔ مذہب کے فروغ سے غفلت والا اور اپنی لذت اور دنیاوی زندگی میں مست رہنے والا قیامت کے دن سیاہ اٹھے گا"[46] "انسانوں کے لیے مشقت فطری امر ہے... اگر وہ دین کے کاموں میں مشقت برداشت نہیں کرے گا تو دنیا کے بے ثواب کاموں میں مشقت کرے گا جیسا کہ اس وقت ہو رہا ہے۔ جہاں دنیا اپنے موہوم مقاصد کے لیے اور دنیاوی زندگی کی حقیر چیزوں کے لیے مجنونانہ محنتیں کر رہی ہے وہاں دین جیسی قیمتی اور ثواب آخرت جیسی یقینی چیز کے لیے تھوڑی سی تکلیف برداشت کر لینا کیا وقعت رکھتا ہے"[47] "اللہ نے ظاہر و باطن میں جو قوتیں بخشی ہیں ان کا صحیح مصرف یہی ہے کہ ان کو اسی کام میں لایا جائے جس میں حضور ﷺ نے اپنی قوتیں صرف فرمائیں اور وہ کام ہے اللہ کے بندوں اور خاص طور سے غافلوں، بے طلبوں کو اللہ کی راہ کی طرف لانا اور اللہ کی باتوں کو فروغ دینے کے لیے جان کو بے قیمت کر دینا[48]... ان کی زندگی ان کے اپنے مقصد سے اخلاص اور عزم و استقلال کی شہادت دیتی ہے۔ راتوں کو جاگے، پہاڑیاں عبور کیں، دشوار گزار راستے طے کیے، مئی جون کی قاتل لُو، اور پھر حیوات کے ریگستانی علاقے کی گرم لُو کے جھونکے اور دسمبر و جنوری میں کھلے میدان کی زمستانی ہوا کے سرد جھونکے یکساں برداشت کیے اور ساتھیوں سے یہ کہہ کر ان کا دل بڑھاتے رہے کہ "جبل جہد (محنت و تکلیف) کے پرلی طرف خدا ہے جس کا جی چاہے مل لے"[49] فرماتے "میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ احادیث سے حضور ﷺ کے واقعات و اخلاق کا تتبّع کر کے ان کے پھیلانے کی جتنی سعی کر سکتے ہو کرتے رہو[50]..." کیسا شاندار اور تاقیامت جاری و ساری رہنے والا، عملیت سے بھرپور وژن Vision ہے! المیہ یہ ہے کہ اس وقت امت مسلمہ میں انفرادی سطح پر یعنی کچھ افراد یا تنظیمیں تو جدوجہد میں مشغول ہیں تاہم بحیثیت امت ہمیں جس وژن کا امین اور ذمہ دار بنایا گیا تھا وہ ہماری زندگیوں، افکار اور مقاصد میں کہیں بھی وجود نہیں رکھتا۔ یہ حقیقت محتاجِ بیان نہیں بلکہ زبان حال سے دہائی دے رہی ہے کہ یہود و نصاریٰ سنجیدگی سے جس مقصد کو لے کر چلے تھے اس میں کامیاب ہیں۔ پروٹوکولز میں لکھے منصوبے ہوں یا صلیبیوں کے مذکورہ بالا بیانات... یہ ہماری حقیقت ہیں۔ مجسم صورت میں موجود! آج ہم حقیقتاً ان کے پنجہ استبداد میں جکڑے ہوئے ہیں۔ سودی معیشت، جمہوریت پر مبنی حکومت، آزادی کے نام پر بے حیائی، تحقیق و تعلیم کے نام پر استشراقی تحقیقات، enjoyment اور Pleasure کے نام پر ڈراموں، فلموں اور Youtube، موبائل گیمز پر وقت کی اور صلاحیتوں کی بربادی کر کے، مسنون معمولات اکل و شرب کے بجائے برگر اور کولا جیسی تباہ کن خوراک پر پلنے والی نسل کا یہود و نصاریٰ سے مقابلے کے لیے تیار ہونا... محض دیوانے کا خواب

ہے۔ایک طرف یہودی Master Mind کا ملاً متحرک ہے اور ہمارے جملہ وسائل کو ہاتھ میں لیے ہمارا طرزِ فکر، ہماری تفریحات تک کا تعیّن کر رہا ہے اور ہم اس کا تتبّع کر رہے ہیں۔ دوسری طرف مسیحیت ہے جو محض مذہب نہیں ایک تحریک ایک تہذیب ہے۔ محقق و مستشرق، مُبشِر و مبلغ، عسکری افسران یا پھر حکمران سبھی ان کے مختلف روپ، نمائندے اور ہر کارے ہیں۔ مغربی ممالک کی حکومتیں اپنے کلیساؤں، مستشرقین اور پادریوں کی سرپرستی کے لیے خطیر رقوم صرف کرتی ہیں۔ تاریخ بتاتی ہے کہ جہاں [مسلم ممالک میں] تاجر یا حکمران پہلے گئے وہاں بعد میں پادری پہنچ گئے اور جہاں مبلغ و مبشر پہلے پہنچے وہاں انھوں نے اپنے حکمرانوں کے لیے راہ ہموار کی۔ حقیقت حال ہے کہ مسلم ممالک میں بطور اقلیت رہنے والے پادری ہمیشہ اپنے مغربی سرپرستوں سے رابطے میں ہوتے ہیں۔ یہاں یہ حقیقت بھی محل نظر رہنی چاہیے کہ دیگر مذاہب کے لوگوں کو بھی نصرانی بنانے پر لگے ہوئے ہیں۔ گویا تبلیغ کا ہمارا فریضہ پوری روح کے ساتھ وہ نبھا رہے ہیں۔ برصغیر میں کثیر تعداد میں نچلے درجے کے ہندوؤں کا عیسائیت قبول کر لینا اس پر دلالت کرتا ہے۔ عیسائیت مختلف روپ دھارے سرگرم عمل ہے مثلاً:

استشراق: صدیوں سے عیسائی عالم تحقیق و تعلیم کے لبادے میں بہ ظاہر علمی و منطقی اور بباطن زہر ہلال لیے قرآن، ذات رسالت مآب، مآخذ شریعت، تاریخ کے متعلق شکوک و شبہات پیدا کرنے کا مشن لیے چل رہے ہیں۔

تبشیر: اس کے پہلو بہ پہلو مبشرین / مسلم ممالک میں تعلیمی ادارے، اسپتال وغیرہ کے ذریعے لوگوں کو عیسائی بنانے کے مشن میں لگے ہوئے ہیں۔ ان اداروں میں لوگوں کو مفت تعلیم، مفت ادویات دی جاتی ہیں اور انجیل سے بشارتیں سنا سنا کر عیسائیت کی طرف راغب کیا جاتا ہے۔

عیسائی ریاستوں کی بنیاد: مسلم ممالک کے قرب و جوار میں عیسائی ریاستوں کا قیام اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اس کی ایک بڑی مثال بورنیو ہے جس کا کچھ حصہ انڈونیشیا اور کچھ ملائشیا میں شامل ہے۔ ایک عرصہ قبل مغربی عیسائی سلطنتوں نے اسے عیسائی بنانے کا منصوبہ بنایا تھا۔ لہٰذا مشنریز کو بے پناہ مالی وسائل فراہم کیے گئے۔ مقامی باشندوں کو لالچ دے کر اونے پونے داموں وسیع اراضی خریدی، وہاں ساری سہولیات بہم پہنچائیں اور قرب و جوار سے عیسائی لا کر آباد کیے۔ آبادی بڑھتی گئی اور بالآخر مشرقی تیمور کے نام سے انڈونیشیا میں آزاد عیسائی ریاست وجود میں آگئی[51]۔ 2015ء کی مردم شماری کے مطابق وہاں 99.3٪ آبادی عیسائی ہے! ایسے میں نو مسلم محمد امین سابق عمانوایل مہنگا پادری کی یہ پکار ہمارے لیے باعث ندامت بھی ہونی چاہیے اور چشم کشا بھی "....للہ اپنے آپ کو سنبھالیے۔ دوست دشمن کو پہچانیے آپ نے اغیار کی کتب اور نقل و حرکت کو دیکھا آپ نے مصنف کی خوبصورت اوراق کی کتب کو دیکھا مگر الفاظ پر غور نہ کیا آپ نے چمک دار گلاس کو دیکھا اندر کے زہر قاتل کو نہ دیکھا کچھ ہوش سے کام لیجیے۔ زمانہ بہت ترقی پر ہے۔ خواب غفلت چھوڑیے اور دیکھیے زمانہ کس طرف جا رہا ہے۔ اغیار کا ہر فرد مبلغ ہے اور آپ بالکل بے بہرہ ہیں..."[52] ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ اب ملت کفر اتنی کامیاب ہے کہ سعودی عرب میں ڈانس فیسٹیول ہونے لگے ہیں۔ ہندو وہاں جا کر ناچنے گانے کی محفلیں سجا رہے ہیں اور ملت اسلامیہ کے پاسبان ان کی دھنوں پر بدمست ہو کر ناچ رہے ہیں۔ ایک عرب اسلامی ملک سب سے بڑا بت خانہ بنام مندر بنا کے اس کارنامے پر نازاں ہے کہ وہ بین المذاہب امن و آشتی میں اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ حالانکہ صورت حال یہی ہے کہ

وطن کی کر فکر ناداں مصیبت آنے والی ہے
تیری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں

لیکن اہم ترین بات یہ ہے کہ اب کیا کرنا ہو گا؟ اس ساری صورتِ حال میں امت کی کیا ذمہ داری ہے۔ اپنے مقصدِ حیات کی طرف رجوع اور اسے لے کر چلنے کے لیے ہمیں کیا کرنا ہو گا۔ حصہ دوم میں اسی اہم پہلو پر چند معروضات پیش کی جائیں گی۔

حصہ دوم: عالمی منظر نامہ اور امت مسلمہ کی ذمہ داریاں

گاؤں والوں کے لیے وہ اک بلا بن جائے گا
سانپ کو مہلت ملی تو اژدھا بن جائے گا

یہ جو حالات بن چکے اور بنتے جا رہے ہیں ان کا تدارک باہر سے کوئی نہیں کر سکتا اس کا آغاز داخلی طور پر انفرادی سطح سے یعنی فرد کی سطح سے ہو گا اس کے بعد بالترتیب اسی کے اثرات عالمی سطح تک جا سکیں گے۔ انفرادی سطح سے اس کا آغاز اور پھر اسے پروان چڑھانے کے لیے چند اقدامات انتہائی ضروری ہیں۔ ذیل میں ان کا تذکرہ بالاختصار کیا جا رہا ہے۔

1- تصور عبدیت کی تفہیم

عبدیت کا صحیح تصور وہ بنیاد ہے جس پر امت مسلمہ کے مستقبل کی عمارت کھڑی ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت یعقوبؑ اپنے بچوں سے ماتعبدون من بعدی کا سوال پوچھتے ہیں۔ عبادت عبدیت سے ہے اور عبد کے معنی غلام کے ہیں[53]۔ عبادت میں صرف سر جھکانا، سجدہ کرنا یا نماز پڑھنا ہی نہیں بلکہ عبادت کے معنٰی ہیں اطاعت کاملہ، خدائے وحدہٗ لاشریک لہ کے حکم پر چلنا۔ اس کے اشارے کو دیکھنا اس کے قانون کو ماننا اور اس کی شریعت کی مکمل پیروی کرنا[54]۔ ہر وہ شخص جو مسلم ہونے کا مدعی ہے خود کو امت مسلمہ کا ایک رکن تصور کرتا ہے اس کی اولین ذمہ داری اپنے تصور عبدیت کی اصلاح، اس کا صحیح فہم اور پھر اس کے مطابق اپنی شخصیت کو ڈھالنا۔ عبدیت کے معنٰی ہیں "مکمل اطاعت کمال محبت کے ساتھ"۔ گویا عبدیت غلامانہ اطاعت الٰہی عاشقانہ والہانہ پن کے ساتھ کرنے کا نام ہے۔ فرد کے بعد خاندان کی سطح پر اس تصور کی اصلاح لازم ہے بالخصوص نسل نو کے مستقبل کی فکر میں ان کے کھانے پینے، تعلیم، سہولیاتِ زندگی، ملازمت، یعنی ایک شاندار مستقبل سے زیادہ ان کے دلوں میں اس عقیدے کو کالنقش فی الحجر ثبت کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ اللہ کے بندے اس کے غلام ہیں۔ چنانچہ گھر گھر میں یہ بات ہونی چاہیے کہ آپ کو فکر ہو کہ ہماری اولاد، ہمارے بیٹے، پوتے، نواسے کس کے دین پر رہیں گے۔ ان میں صحیح عقیدہ قائم رہے گا یا نہیں... اس فکر کے تحت جو نسل پروان چڑھائی جائے گی وہ اپنی ذات سے عامل ہو گی اور دوسروں کے لیے مبلغ و داعی۔[55]

2- قرآن و سنت سے ماخوذ طرزِ حیات

یعنی معمولاتِ زندگی، نظامِ زندگی کو قرآن و سنت کی ہدایات کے عین مطابق ڈھالنا۔ مسلم معاشروں میں جب تک عہد رسالتمآبؐ کے مدنی معاشرے کے مطابق طرزِ حیات اپنایا گیا تب تک وہ اس زوال و پستی کا شکار نہیں ہوئے جس کا شکار وہ اب ہیں۔ یہ طرزِ حیات جملہ شعبہ ہائے حیات کو محیط ہے اور اس کی تنفیذ کی ترتیب درجہ بہ درجہ یہ ہے: فرد، خاندان، معاشرہ، نظام اور پھر ریاست۔ یعنی فرد کو جو سلطنت نفس عطا کی گئی ہے سب سے پہلے وہ اس پر قرآن و سنت کی تنفیذ کرے۔ اس کے بعد انفرادی و اجتماعی زندگی کے تمام دائروں میں قرآن و سنت سے ماخوذ طرزِ حیات کا کامل تتبّع کیا جائے یہی کامیابی کی شاہ کلید ہے جس کی شہادت اوراقِ تاریخ دیتے ہیں اور یہ مشکل کام نہیں ہے۔ حضور اکرمؐ کی حیات پاک لحہ بہ لحہ محفوظ ہے۔ آپؐ کی صبح و شام، آپؐ کا چلنا پھرنا، کھانا پینا، غرضیکہ ہر شعبہ حیات، حاکم ریاست تک، سے متعلقہ جملہ معمولات بالتفصیل وبالصراحت محفوظ ہیں۔ آپؐ کا اتّباع اخروی اعتبار سے تو باعث ثواب ہے ہی اس کے دنیاوی ثمرات بھی زبان حال سے اس کے بہترین طرزِ حیات

ہونے کی شہادت دیتے ہیں مثلاً: آنحضورؐ نے رات دیر تک جاگنے اور صبح دیر تک سونے کو ناپسند فرمایا۔ آپؐ نے نماز عشاء کے بعد جلد سونے اور صبح جلد بیداری کا حکم دیا۔ صبح کی نیند کو رزق میں کمی کا سبب قرار دیا[56]۔ آپؐ نے اپنی امت کی صبح کے وقت میں خصوصی برکت کے لیے دعا فرمائی[57]۔ پھر نماز فجر کے جلد ہی روز مرہ معمولاتِ حیات، فرائض منصبی، خانگی معاملات کا آغاز ہو جانا چاہیے۔ ظہر کے بعد دوپہر کے کھانے کے بعد قیلولہ لازماً ہونا چاہیے۔ فرمایاقیلو افان الشیٰطین لاتقیل[58]۔ عصر کے بعد سونا ممنوع ہے۔ مغرب کے بعد رات کا کھانا اور عشاء کے بعد نیند۔ یہ مسنون طرزِ عمل ہے۔ جب جب ہم نے اس ترتیب کو بگاڑا ہم نے ناقابلِ تلافی خسارے کیے مثلاً سلطنت مغلیہ کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر کا عہد حکومت ہے۔ ایک طرف دارالحکومت دلی کے معمولات صبح و شام ہیں اور دوسری طرف دلی سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر واقع انگریز چھاؤنی کے۔ ملاحظہ فرمایئے: صبح ساڑھے تین بجے جب لال قلعے میں مشاعرہ زوروں پر ہوتا دہلی کے شمال میں واقع چھاؤنی میں بگل بج جاتا۔ شعراء، درباری، اشرافیہ، مغنی جھومتے گاتے واہ واہ کرتے اُدھر انگریز چھاؤنی کا جملہ عملہ شیو کرانے کے بعد صبح کی پریڈ کرنے نکل جاتا۔ دو گھنٹے بعد جب اہل دلی سونے کے لیے جا رہے ہوتے تب انگریز عام شہری بھی ورزش میں مشغول ہوتے۔ صبح 6 بجے ناشتہ تیار ہو جاتا اور ناشتے کے بعد یہ سب اپنے کام میں لگ جاتے۔ جس وقت دلی والے ناشتہ شروع کرتے انگریز چھاؤنی میں دوپہر کا کھانا کھایا جا رہا ہوتا۔ دلی میں شام پانچ بجے زندگی کی گہما گہمی کا آغاز ہوتا یعنی اہل شہر پورے ہوش و حواس میں اور فعّال دکھائی دیتے اُدھر چھاؤنی میں غروب آفتاب کو دن کا خاتمہ تصور کیا جاتا جس کے بعد جلد ہی چھاؤنی میں خاموشی طاری ہو جاتی[59]۔ خود بادشاہ سلامت کا دن یوں گزرتا کہ ناشتے پر وہ شام کے مشاعرے کی "طرح" پر گفتگو کرتے رہتے۔ اس کے بعد اپنے خواتین محافظ دستے کے ساتھ محل کا دورہ کرتے باقی ماندہ دن کا بیشتر حصہ وہ شعر کہنے اور ان کی اصلاح میں لگا دیتے[60]۔ یہ امر محتاج بیان نہیں کہ دن بسر کرنے کے جو دو معمولات سطور بالا میں نظر آتے ہیں ان میں سے فطرت کے قریب کون سا انداز ہے۔ کچھ ہی سال بعد یہ دونوں گروہ یعنی اہل دلی اور انگریز فوج ایک دوسرے کے مدمقابل تھیں۔ نتیجہ طبعاً یہی ہونا تھا جو ہوا۔ اسی طرح آپؐ نے فرمایا "قوی مومن اللہ کو کمزور مومن سے زیادہ محبوب ہے اگرچہ خیر دونوں میں ہے"[61]۔ لہٰذا ہر مسلمان کو صحت مند، طاقتور اور چاق و چوبند ہونا چاہیے۔ اس کے لیے اہتمام کرنا چاہیے اس کے بیمار یا سست ہونے میں اس کا اپنا کردار نہیں ہونا چاہیے۔ جس شخص کے قلب و ذہن میں یہ تصور راسخ ہو گا وہ: 1- سنت رسولؐ کے عین مطابق کھانے پینے میں اعتدال و توازن رکھے گا وہ اس شعور کے ساتھ کھائے گا کہ مومن ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں[62]۔ لہٰذا وہ بسیار خوری کر کے بیمار نہیں پڑے گا۔ وہ Physical Fitness کو اپنے مقصدِ حیات کا حصہ تصور کرے گا۔2۔ وہ نافع غذا کھائے گا نتیجتاً وہ بڑے بڑے بین الاقوامی Food Chains کے بنائے ہوئے Junk Foods برگر، پیزوں اور سافٹ ڈرنک کے نام پر سوڈیم مشروبات (کوکا کولا وغیرہ) سے دست بردار ہو جائے گا گویا اپنے دشمن کے وژن کی تکمیل میں معاون نہیں بنے گا۔ 3۔ جانتا ہو گا کہ صحت کی کلید ہلچل میں، تحرّک میں ہے[63]۔ لہٰذا وہ یہود کی بنائی ہوئی موبائل گیمز پر گھنٹوں اپنی بصارت زائل کرنے اور اعصاب کو ضعف و شکار بنانے کے بجائے وہ تیر اکی، گھڑ سواری، دوڑ اور تیر اندازی جیسے کھیلوں میں دلچسپی لے گا جن کا حکم آنحضورؐ نے دیا ہے[64]۔ ج عملی صورتِ حال یہ ہے کہ ہمارے دشمن نے اپنے مقصدِ حیات میں کامیابی کے لیے ہمیں گمراہ کن ٹی وی ڈراموں، فلموں میں مشغول کر دیا ہے جو اب موبائل پر Youtube کی صورت ہر وقت موجود ہیں۔ لیکن ہمارے نبیؐ کے دیے گئے وژن کے مطابق حسنِ اسلام ترک لایعنی میں ہے[65]۔ جب انسان اس فرمان کے مطابق زندگی بسر کرے گا تو یہود کے

بنائے گئے ان خوبصورت جالوں سے جو دراصل ہمارا وقت اور صلاحیتیں ضائع کرنے کے لیے بنائے گئے تھے، خود کو محفوظ کرے گا۔ علیٰ ھٰذا القیاس ہر شعبہ حیات میں مسنون طرزِ عمل اختیار کرنا ہی مسلمان کا مقصدِ حیات ہے اس سے انحراف ہی ہماری ذلّت وخواری کا اصل سبب ہے۔

تاریخ سے عبرت پذیری اور مستقبل پر نظر

قرآن کریم کا ایک معتدبہ حصہ قصص پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ ان قصص پر تدبر، تفکر کا حکم دیتے ہیں تاکہ قاریِ قرآن یہ سمجھ سکے کہ سابقہ امم کے اعمال و افعال کیا تھے ان کے نتائج و عواقب کیا ہوئے۔ ارشاد ربانی ہےاَفَلَمْ يَهْدِلَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى[66]"اور کیا یہ بات ان لوگوں کے لیے موجب ہدایت نہ ہوئی کہ ہم ان سے پہلے بہت سے فرقوں کو ہلاک کر چکے ہیں جن کے رہنے کے مقامات میں یہ چلتے پھرتے ہیں عقل والوں کے لیے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں"۔ گویا قرآن کریم کے مطابق تاریخ حصول علم و دانش کا ایک ذریعہ ہے جو ہمیں کرنے اور نہ کرنے کے کاموں کے بارے واضح ہدایات دیتا ہے۔ تاریخ کے ذمرے میں جملہ امم سابقہ سے متعلقہ جملہ معلومات آجاتی ہیں۔ ان سب میں انسان کے لیے بیش قیمت اسباق ہیں مطالعہ تاریخ سے انسان بہت مختصر وقت میں بہت زیادہ علم و دانش حاصل کرلیتا ہے۔ اس ضمن میں پہلا ماخذ و منبع قرآن کریم ہے۔ ازاں بعد احادیث رسول ﷺ عبرت پذیری کا ماخذ ہیں۔ دشمن کی تاریخ سے بھی سبق سیکھنے کی بہترین مثالیں ہیں مثلاً حضرت عمرو بن العاص ایک جگہ تشریف فرما تھے، ایک صحابی مستورد القرشی آپ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے اور دوران گفتگو انھوں نے فرمایا "میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا کہ جب قیامت قائم ہو گی تو دنیا میں رومیوں کی کثرت ہو گی" [رومی سے مراد عیسائی ہے]۔ یہ سن کر حضرت عمرو نے فرمایا دیکھیں آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ انھوں نے جواباً کہا میں وہی کہہ رہا ہوں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا۔ انھوں نے اسی حدیث کو دُہرایا۔ اس پر حضرت عمروؓ نے فرمایا اگر ایسی بات ہے تو پھر سنو یاد رکھنا ان اہل روم [عیسائیوں] میں چار خصائص ہیں اسی لیے ان کی کثرت ہو گی۔ جب وہ کسی فتنے کا شکار ہوتے ہیں تو ٹھہراؤ سے اس کا مقابلہ کرتے ہیں۔ حوصلہ نہیں ہارتے۔ جب کسی مصیبت کا شکار ہوتے ہیں تو بہت جلد اس کے اثر سے نکل آتے ہیں۔ اگر کسی جنگ میں شکست ہو جائے تو بہت جلد دوبارہ حملے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں اور اپنے مسکین، ضعیف اور یتیم کے ساتھ بہت اچھا سلوک کرتے ہیں اور ایک پانچویں بڑی خوبی بھی ہے کہ اپنے بادشاہوں کو ظلم سے روکنے پر ہر وقت آمادہ رہتے ہیں۔[67]

حصہ اوّل میں صلیبی جنگوں کے دوران مسلم امرا کو اسلحہ اور فوج فراہم کرنے کے صلیبی مکر کا واقعہ نقل کیا گیا ہے۔ ہمارے پاس صلیبیوں کی تاریخ موجود ہے لیکن ہم چونکہ اپنے اصل مقصدِ حیات سے بھی نابلد اور لاپرواتھے بنابریں ہمیں مستقبل بینی کی ضرورت بھی محسوس نہیں ہوتی تھی۔ سو ہم نے اس واقع سے کوئی سبق نہیں سیکھا اور صدیوں نصاریٰ نے ہمارے ساتھ وہی سلوک کیا۔ انگریز اکبر کے زمانے میں ہندوستان آئے۔ اکبر و جہانگیر کے عہد میں انھیں یہاں اقامت گزینی کی اجازت ملی۔ اس کے بعد ان کی سرگرمیوں سے اغماض کا رویہ غالب رہا۔ انھیں مراعات ملتی رہیں اور نوبت بایں جارسید کہ شاہی خاندان سے انھوں نے معاہدہ کرلیا کہ شہزادوں کی عسکری تربیت نہیں کی جائے گی۔ پھر چشمِ فلک نے سلطنتِ مغلیہ کے زوال کے مناظر دیکھے۔ خود بربادی کا یہ کھیل کھیلنے والے فرنگیوں نے ان دل دوز واقعات کی مفصل تاریخ لکھی جو محفوظ ومامون ہے۔ چند مناظر پیش ہیں۔ ایک مغل شہزادہ مرزاجواں بخت پڑھائی میں دلچسپی نہیں لیتا تھا اکثر نشانہ بازی و تیر اندازی کے لیے چلا جاتا

وہاں بھی اس کا نشانہ اکثر چُوک جاتا۔ وہ کسی کو زخمی کر دیتا مثلاً ایک بار جمنا میں غسل کرتے ایک شخص کی دونوں ٹانگیں زخمی کرڈالیں۔ چنانچہ اس کی نشانہ بازی پر بادشاہ سلامت کی طرف سے پابندی لگا دی گئی اس کے پاس موجود تمام اسلحہ تلواریں، پستولیں لے لی گئیں اور حکم دیا گیا وہ صرف پڑھائی پر توجہ دے۔[68] کچھ ہی مدت بعد بہادر شاہ ظفر کو مع خاندان گرفتار کرلیا گیا۔ بادشاہ کے دو بیٹے اور ایک پوتا بگھی میں لے جائے جارہے تھے۔ راستے میں جنگل میں جنرل ہڈسن کے کہنے پر بگھی روکی۔ تینوں کو اتروایا اور برہنہ کرکے ان پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ ازاں بعد ان کی برہنہ لاشیں کوتوالی میں لے جاکر پھینک دی گئیں اور فرنگیوں کا جم غفیر انھیں دیکھنے کے لیے جمع ہوتا رہا۔ اس دن ہڈسن (Hoodson) نے اپنی بہن کو خط لکھا کہ میں آج بہت خوش ہوں اور اپنے اس کارنامے سے بہت لطف اندوز ہورہا ہوں کہ میں نے اس زمین کو ان کم بختوں سے پاک کر دیا۔[69] شہزادوں کی برہنہ لاشیں دیکھنے کے بعد ایک انگریز افسر Henry Ouvry نے اپنی یادداشتوں میں لکھا "جس کام کا منصوبہ برطانیہ نے بہت عرصہ قبل بنایا تھا یہ اس کے ثمرات کا آغاز ہے"۔[70] اس سے اگلے روز چاندنی چوک میں لکڑی سے اجتماعی پھانسیوں کے لیے پورا ایک ڈھانچہ کھڑا کیا گیا اور اس پر 30 سے زائد افراد کو بیک وقت پھانسی لگائی جاتی تھی۔[71] ازاں بعد شہر کے کتب خانے لوٹ لیے گئے مخطوطات چوری ہوگئے مدرسہ بند ہوگئے۔ ان کی عمارتوں پر ہندو بنیوں نے قبضے کر لیے۔ مشہور مدرسہ رحیمیہ کی عمارت رام داس نامی بنیے نے اپنے گودام کے طور پر استعمال کرنا شروع کر دی۔[72] آج بھی وہ لال قلعہ کفار کے قبضے میں ہے اور ہمارے خلاف ہنود کی سازشوں کا مشقد ہے۔ عام شہری شہر سے نکال دیے گئے انھوں نے کھنڈروں اور مقابر میں پناہ لی جہاں وہ سوکھے پتے اور جنگلی پھل کھانے پر مجبور تھے۔ پھر انگریزوں کو پتہ چلا کہ شہر کے تہ خانوں میں ابھی بہت سے مسلم شہری موجود ہیں انھوں نے ان سب کو شہر سے نکال باہر کیا۔[73] بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو حالت اسیری میں دیکھنے کے لیے فرنگی جوق در جوق جاتے۔ اس کو چھیڑتے اس کی داڑھی کھینچتے اسے ٹھڈے مارتے کسی نے اسے پنجرے میں قید درندہ کہا کسی نے کچھ کہا[74]... انگریز افسر اسیر خواتین (جن کا تعلق شاہی خاندان سے تھا، کے کمروں میں جاتے ان کے دوپٹے کھینچتے جب وہ بے حجابی سے بچنے کے لیے چہرے دیوار کی طرف پھیر لیتیں تو یہ فرنگی بہت لطف اندوز ہوتے[75]... صلاح الدین ایوبیؒ کہا کرتے: "صلیبیوں نے اپنی قوم کو ایک مقصد دے دیا ہے ان کی نظریں مستقبل پر ہیں۔ ہمیں بھی اسی طرح مستقبل پر نظر رکھنی چاہیے۔ ہمیں اقتدار کی ہوس کے بجائے جب رسول ﷺ پیدا کرنی ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ قوم کی آنکھوں میں رسول اللہ ﷺ کے دشمن کا تصور موجود ہو..."۔[76] دشمن کا ایسا واضح تصور مطالعہ تاریخ کے نتیجے میں ہی بن سکتا ہے۔ اپنے مقصد حیات کے ساتھ اخلاص کے لیے مطلوبہ امور میں سے ایک اہم ترین امر مطالعہ و استنباط از تاریخ ہے اسی سے دوست دشمن میں تمیز کی صلاحیت پیدا ہوسکتی ہے۔ صدیوں پر محیط تجربات نے قرآن کریم کے اس دعوے لن ترضی عنک الیھود و لاالنصاریٰ حتی تتبع ملتھم کی بارہا تصدیق کی ہے لیکن ہم آج بھی اس حقیقت سے چشم پوشی کیے ہوئے ان کے مشن ان کے مقصد حیات کی تکمیل میں معاون اور آلہء کار کا کردار ادا کررہے ہیں۔ وہ آج پہلے سے کہیں زیادہ مستعد ہیں۔ ایک عیسائی پادری اپنے وطن کینیڈا سے ہجرت کرکے تبلیغ نصرانیت کا عزم لیے پاکستان آیا۔ یہاں تھرپارکر میں ایک گاؤں میں ٹھہرا۔ 45 یا 48 سال وہیں مقیم رہا۔ گاؤں کے تمام ہندوؤں کو عیسائی بنایا سارا گاؤں عیسائی ہوگیا۔ اسی نے شدید سعی و کاوش کرکے آس پاس کے گاؤں بھی عیسائی بنادیے۔ گرجا بنایا اور وصیت کی کہ میں مروں تو مجھے سڑک کے کنارے دفنانا اور میری قبر کے کتبے پر بائبل کا کوئی اقتباس تحریر کرنا تاکہ ہر راہ گیر اسے پڑھ سکے۔ اب اس کا بیٹا یا اولاد اس گاؤں میں

آباد ہے۔[77] یہی جذبہ تھا جس نے اسلام کو بسرعت دنیا میں پھیلایا تھا۔ اب یہ اغیار کے پاس ہے۔ بقول محمود احمد غازی مسلمانوں میں شاید پاکستان میں بھی ایک بھی ایسا آدمی نہ ملے ... جو لاہور کراچی، فیصل آباد... یعنی کسی بڑے شہر کو چھوڑ کر سندھ کے ریگستان میں جا کر بیٹھ جائے 50 سال وہاں اسلام کی تبلیغ میں زندگی گزار دے۔ روکھی سوکھی کھائے یا مزدوری کر کے اپنا پیٹ پال لے۔ کم از کم میرے علم میں ایسی کوئی مثال نہیں پاکستان میں، مصر میں، انڈونیشیا میں، سعودیہ میں کوئی نہیں ہے کہ تبلیغ اسلام کے لیے کسی اعلیٰ تعلیم یافتہ آدمی نے جو ایم اے پاس ہو، بی اے ہو، مشہور و معروف ہو، کسی بڑے شہر میں اس کی پکی نوکری ہو مگر اس نے ملازمت چھوڑ کر تھرپارکر میں رہائش اختیار کرلی ہو یا وہ چولستان چلا گیا ہو... لیکن پاکستان میں ہی سینکڑوں مشنریز موجود ہیں جنہوں نے زندگیاں قربان کی ہیں۔[78]

خلاصۂ بحث

مندرجہ بالا معروضی حقائق کی روشنی میں بلاخوف ابطال و تردید کہا جاسکتا ہے کہ اس وقت مسلمان اپنے مقصدِ حیات سے باقی اقوام کی نسبت بہت زیادہ بے نیاز اور لاپرواہ ہیں۔ تخلیق انسان کے ساتھ اللہ رب العزت نے انسان کو اس کے وجود کے مقصد اور مصرف سے بخوبی آگاہ کیا تھا جو وحی کی صورت میں اسے پہنچایا جاتا رہا ہے۔ اس الٰہی پیغام سے انحراف اسے ضلالت اور زوال کی وادیوں میں پہنچا دیتا ہے بلاشبہ یہود و نصاریٰ نے اس میں تحریف کی اس سے من چاہے احکام کا استنباط کر کے لعنت کے مرتکب ہوئے۔ بایں ہمہ انھوں نے اپنے خود ساختہ مذہب سے وابستگی کے تحت جو بھی Vision بنایا اس کے ساتھ بہت مخلص ہیں۔ صدیوں سے اس کے لیے ہر طرح کی قربانیاں دے رہے ہیں۔ امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ اس کی تکمیل کے لیے اپنے طریق کار میں تغیّر و تبدل کرتے رہے ہیں۔ یعنی بدلتے وقت کے تقاضوں، مسلمانوں کے رجحانات، ان کے مزاج کے مطابق وہ اپنے طریق واردات بدلتے رہے ہیں۔ جس کے نتائج و ثمرات ہمارے سامنے ہیں۔ دوسری طرف امت مسلمہ ہے جس نے وقت کے ساتھ ساتھ اپنا مقصدِ حیات فراموش ہی کر دیا۔ اب یہ حالات ہیں کہ سامنے کوئی منزل ہی نہیں سوائے مادّیات و تعیّشات کی ایک مسابقت کے اور جب منزل ہی نہیں تو راہِ عمل یا Road Map کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لہٰذا بھٹکے ہوئے جانوروں کے گلّے کی طرح سفر کیے جا رہے ہیں۔ ایسے میں جن لوگوں نے منازل بھی طے کر رکھی ہیں اور راہوں کا تعیّن بھی کر رکھا ہے وہ ہمیں اپنی منشا کے مطابق ہانک رہے ہیں۔ ہم ناموس رسالت کے تحفظ کے لیے سڑکوں پر آتے ہیں اپنی ہی اِملاک کو نقصان پہنچا کر سمجھتے ہیں حق ادا ہو گیا لیکن یہ نہیں سوچتے کہ ایسا ہو کیوں رہا ہے کسی کو گستاخی کی جرأت ہے ہی کیوں؟ اور اس میں ہمارا کیا کردار ہے! عیسائیوں کی تعداد میں روز افزونی کا سبب کیا ہے؟ ہماری جامعات میں دہریوں کی تعداد خوفناک حد تک کیوں بڑھ چکی ہے؟ ہمارے ہاں بڑے اور مہلک امراض میں مبتلا افراد کی تعداد اتنی زیادہ کیوں ہے؟ ایسے اور بہت سے سوال ہیں جن کا واحد جواب یہ ہے کہ ہم نے اس منزل کو، جو اللہ رب العزت نے ہمیں واضح طور پر بتائی تھی، فراموش کر دیا۔ جدیدیت کے نام پر دنیا نے جو کچھ ہمیں عطا کیا ہم نے اسے وحی سمجھ کر قبول کر لیا۔ لہٰذا آج ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم من حیث القوم قرآن و سنت سے تعلق جوڑ کر اپنے اصل Vision کی طرف واپس لوٹ آئیں۔ اس کے مطابق اپنی راہیں، اپنا لائحہ عمل متعیّن کریں اور کنتم خیر امت کا مظہر بنیں۔ دریں صورت حاملین علوم اسلامیہ کی خصوصی ذمہ داری ہے کہ اپنی اصلاح کے ساتھ ساتھ معاشرے کی رہنمائی کریں اور اپنے قول و فعل سے ہر مسلمان کو اس عظیم تر وژن کے ساتھ جوڑنے کا سبب بنیں۔

References

[1] *Az Zariyat,* 51: 56
[2] Ibn Manzur, Muhammad Ibn Mukarram, *Lisan al-'Arab* (Beirut Dar Sadir, n.d.),,3:271-272
[3] Daryabadi Abdul Majid, *Tafsir Majidi* (Lahore, Pak Company, n.d.), 1039.
[4] Abu al-A'la Maududi, *Tafhim al-Qur'an* (Lahore: Idara Tarjuman al-Qur'an, n.d.), v:5, p: 156
[5] Al-Baqarah, 2: 133
[6] Dr. Myles Muriroe, *The Principles and Power of Vision*(2003, USA White Ker House), 17
[7] Al-'Imran, 3: 110
[8] Al-Baqarah, 2: 120
[9] Muhmood Ahmad Ghazi, *Islam our Maghrib Ta'lluqat* (Lahore: al-Faisal 2007), p: 305-307
[10] Victor E. Meresdon, *Yahudi Protocols*, tr. by. Muhammad Yahya Khan (Lahore Nigarishat 2019), 134.
[11] Meresdon, *Yahudi Protocols* 3: 140
[12] Meresdon, *Yahudi Protocols*: 5: 148-149
[13] Meresdon, *Yahudi Protocols*: 6: 150
[14] Meresdon, *Yahudi Protocols*: 13: 181
[15] Meresdon, *Yahudi Protocols* 14: 148
[16] Meresdon, *Yahudi Protocols* 4: 142
[17] Meresdon, *Yahudi Protocols*, 110
[18] Meresdon, *Yahudi Protocols*, 120-121
[19] Altamash, *Dastan Iman Faroshon Ki* (Lahore Hikayat Publishers 2019), 2: 12
[20] Altamash, *Dastan Iman Faroshon Ki,* 2:13.
[21] Altamash, *Dastan Iman Faroshon Ki* 1: 191
[22] Altamash, *Dastan Iman Faroshon Ki*, 1: 226-227
[23] Altamash, *Dastan Iman Faroshon Ki* ,3: 411
[24] Altamash, *Dastan Iman Faroshon Ki*, 3: 411
[25] William Dalrymple, The Last Mughal (UK, 2006)
[26] Macaulay's, *Minute on Education*, 9.
[27] Macaulay's, *Minute on Education*, 9.
[28] Macaulay's, *Minute on Education*: 10.
[29] Mubarak 'Ali, *Bartanwi Raj*, (Lahore, Fiction House, 2005) 1st ed. p: 81-82
[30] Bari Alig, *Company Ki Hakumat*, (Lahore, Hanif and Sons, 2001), p: 450
[31] Altamash, *Dastan Iman Faroshon Ki*, 1: 41
[32] Ibn Hisham, Muhammad 'Abd al-Malik, *Sirat Rasulullah*, (Beirut, Dar al-Ma'rifa 2003), 1: 284-285
[33] Ibn al-Athir Muhammad bin 'Abd al-Karim, *al-Kamil fi at-Tarikh*, (Beriut Dar al-Kutub al-'Ilmiyah, 1st ed. 1987), 2: 199
[34] Al-Baladhuri Abu al-'Abbas Ahmed bin Yahya, *Futuh al-Buldan*, P: 157
[35] Abu al-Fida Isma'il bin Muhammad bin 'Umar, *Taqwim al-Baldan*, p: 106
[36] Ghazi, *Muhadirat-e-Sirat*, p: 647
[37] Syed Abu al-Hasan 'Ali, Nadvi, *Mahammad Ilyas aur unki Dini Da'wat*, p:12
[38] Abu al-Kalam Azad, *Qur'an Ka Qanun 'Uruj o Zawal*, p:106
[39] Al-Tamash, *Dastan Iman Faroshon Ki*, 2: 35
[40] Al-Tamash, *Dastan Iman Faroshon Ki*, 3: 279
[41] Siraj Din Ahmed, *Salah ud-Din Ayyubi* (NP, Kitab Mela, 2020, p: 224
[42] Siraj Din Ahmed, *Salah ud-Din Ayyubi*, 225

[43] Syed Mir Husain 'Ali Kiramani, *Tipu Sultan Shaheed*, tr. by Muhmud Ahmed Faruqi, (Jehlum Book Corner, n.d.), 33
[44] For instance, see: Muhammad Mustafa Safwat, *as-Sultan Muhammad al-Fatih*, (Hindawi Foundation, n.d.)
[45] Syed Abu al-Hasan 'Ali Nadwi, *Maulana Muhammad Alyas aur unki Dini Da'wat*, 172
[46] 'Ali Nadwi, *Maulana Muhammad Alyas aur unki Dini Da'wat,* 222
[47] Ali Nadwi, *Maulana Muhammad Alyas aur unki Dini Da'wat,* 175
[48] Ali Nadwi, *Maulana Muhammad Alyas aur unki Dini Da'wat,* 219
[49] Ali Nadwi, *Maulana Muhammad Alyas aur unki Dini Da'wat,* 172
[50] Ali Nadwi, *Maulana Muhammad Alyas aur unki Dini Da'wat, 172.*
[51] Flo Lamoureus, *East Timor*, 18-20
[52] Muhammad Amin Amanuel, *'Isra'yat Ki Sargermiyan*, 3
[53] Ibn Manzar, *Lisan al-'Arab*, (Beirut, Dar Sadir n.d),
[54] Syed abu al-Hasan 'Ali Nadawi, *Nasl-e-Nau Kei Imen wa 'Aqideiy Ki Fikr Kijiye*, (Lakhnau, n.d), 15
[55] 'Ali Nadawi, *Nasl-e-Nau Kei Imen wa 'Aqideiy Ki Fikr Kijiye* , 21
[56] Ahmed Ibn Muhammad bin Hanbal, *al Musnad* (Qahira Dar as-Slam), 1st. ed. 1995), 1: 394.
[57] 'Ali bin Hasam ad-Din Muttaqi al-Hindi, *Kanz ul-'Ummal fi as-Sunan wa al-Aqwal* (Beirut, Muassasa ar-Risala, 5th ed. 1985 AD), 13: 320
[58] Muttaqi al-Hindi, *Kanz ul-'Ummal fi as-Sunan wa al-Aqwal*, 7: 802
[59] Muttaqi al-Hindi, *Kanz ul-'Ummal fi as-Sunan wa al-Aqwal,* 7: 101-104
[60] Muttaqi al-Hindi, *Kanz ul-'Ummal fi as-Sunan wa al-Aqwal*, 7: 89-99
[61] Muslim bin Hajjaj al-Qushari, *al-Jami' as-Sahih*, in Mausuaa al-Kutub as-Sitta, (Riyadh, Dar as-Salam, 2000), H: 6774
[62] Bukhari abu 'Abdullah Muhammad bin Isma'il, *Jami' as-Sahih*, in Mausu'aa al-Kutab as-Sitta (Riyadh, Dar as-Salam, 2000), H: 5396.
[63] Ibn Qayyim Muhammad bin abi Bakr, at-Tibb an Nabawi, p: 192-195
[64] See my article "Hifzan Sahat ki Ahamiyat wa Farziyyat" in *al-Mizan* (Dec: 2021), V: 3, No:2
[65] Tirmidhi abu 'Isa Muhammad bin Sura, *Jami' as-Sahih*, in Mausu'aa al-Kutub as-Sitta, (Rayadh, Dar as-Salaam 2000), p: 1885.
[66] Taha 20: 128
[67] Muslim bin Hajjaj al-Qushari, *Jami'*, H: 2563
[68] William Dalrymple, *The Last Mughal*, 100
[69] Dalrymple, *The Last Mughal*, 398
[70] Dalrymple, *The Last Mughal* ,401
[71] Dalrymple, *The Last Mughal*, 401.
[72] Dalrymple, *The Last Mughal* ,463
[73] Dalrymple, *The Last Mughal* ,412-415
[74] Dalrymple, *The Last Mughal* ,399
[75] Dalrymple, *The Last Mughal*, 410-411
[76] Altamash, *Dastan*, 2: 34-35
[77] Ghazi, *Islam aur Magrib Ta'lluqat*, 323.
[78] Ghazi, *Islam aur Magrib Ta'lluqat* , 332.